(غلام گردش)

یہ ہر سو رقص بسمل بود شب جائے کہ من بودم

آئرلینڈ کا صوفی تین چار ماہ کے بعد دفتر آیا۔ رسمی گلے شکوے اپنی جگہ مگر اہم بات یہ کہ صوفی گوشہِ تنہائی کا اسیر ہو چکا ہے۔ زیادہ سے زیادہ شاہ جی کے پاس بیٹھ جاتا ہے۔ انتہائی خوش لباس انسان جو زندگی کی حدود کو سمجھ چکا ہے۔ اب معرفت کی شاہراہ پر تیز دھوپ میں ننگے پاؤں چل رہا ہے۔ اس میں بھی کمال لطف ہے۔

عجیب سی باتیں ہوئیں۔ میری اور اسکی ملاقات کا خاصہ یہ ہے کہ میں ہمیشہ خاموش رہتا ہوں۔ زیادہ باتیں سنتا ہوں۔ یہ لوگ کنویں کی طرح ہوتے ہیں۔ علم اور فہم کو کچی مٹی کی دیواروں میں سنبھال کر رکھتے ہیں۔ پرانے لوگ تو یہ جانتے ہیں کہ کنواں کے پانی سے شور کی آواز بھی نہیں آتی۔ بلکہ اکثر کو تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ پانی کا مخزن کتنا گہرا ہے۔ قلندر، صوفی، قطب اور ابدال بھی اسی کنواں کے پانی کی طرح ہوتے ہیں۔ خاموش پانی۔ پر انکا مسئلہ ایک اور بھی ہے۔ یہ ہر ایک کو ظرف کے حساب سے سیراب کرتے ہیں۔ پیاس کے حساب سے نہیں۔ کبھی مانگے بغیر سب کچھ دے جاتے ہیں اور کبھی ایسے ظاہر کرتے ہیں کہ انکے پاس کچھ بھی نہیں۔ معاملہ فہم کا نہیں، راز کا ہے۔ مگر یہ "فراڈیے" ہیں بہت کمال کے لوگ، آپکو ایسی دوائی دیتے ہیں کہ روح کو شفا ہو جاتی ہے۔ آئرلینڈ کا صوفی کہہ رہا تھا کہ بابا فرید کے دربار پر ایک انتہائی باوقار انسان رہتا ہے۔ خوشاب کا کافی بڑا زمیندار۔ کئی مربوں کا مالک۔ دہائیاں پہلے، دربار پر آیا اور پھر واپس گیا ہی نہیں۔ لمبے عرصے سے دربار کی صفائی ستھرائی میں مصروف رہتا ہے۔ جھاڑو دیکر دن رات صحن کو صاف رکھنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ دنیا سے کٹا ہوا انسان۔ معلوم نہیں کس درجہ پر فائز ہے۔ شائد افسروں کا افسر۔ آئرلینڈ کا صوفی، حضرت بابا فرید کے دربار پر مدتوں سے جا رہا ہے، یا شائد صدیوں سے۔ وہاں جا کر ٹوٹ سا جاتا ہے۔ ہفتوں وہیں پڑا رہتا ہے۔ وجہ کم از کم مجھے معلوم نہیں۔ صوفی بتانے لگا کہ ڈیڑھ برس پہلے، مزار پر جھاڑو لگانے والا درویش، پاس آیا۔ خود ہی کہنے لگا کہ تمام فقراء پاکستان کے طاقتور ترین، امیر ترین اور سیاسی طور پر بے پناہ قوت رکھنے والے شخص سے ناراض ہو چکے ہیں۔ فقراء کا فیصلہ ہے کہ اسے آہستہ آہستہ مسند اقتدار سے محروم کر دیا جائیگا۔ فیصلہ ہو چکا۔ درویشوں نے فیصلہ دیدیا۔ آئرلینڈ کا صوفی کہنے لگا کہ اس وقت حکومتی خاندان کو کسی بھی طرح کی دنیاوی کمزوری کے کوئی آثار نہیں تھے۔ دور دور تک راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا۔ بڑے گھر کے دروازے وزراء تک کیلئے بند تھے۔ جھاڑو لگانے والے کی پندرہ ماہ پہلے کہی ہوئی بات تھوڑے سے عرصے میں پوری ہوگئی۔ ذہن میں سوال آیا کہ ہوسکتا ہے کہ صوفی چکر دے رہا ہو۔ جو سیاسی سانحہ ہوگیا، اسکے بعد یہ سب کچھ گھڑ لیا ہو۔ مگر غیر جانبداری سے معلوم کیا تو واقعہ سو فیصد درست نکلا۔ جو بتایا گیا، وہ مکمل طور پر ٹھیک تھا۔ قطعاً علم نہیں ہے کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ سوال تو یہ بھی ہے کہ کیوں ہے۔ اجنبی اور سنسان پانی کی تہہ میں کون کونسے موتی چھپے ہوئے ہیں۔ مگر مسئلہ یہ بھی ہے کہ جان کر کرنا کیا ہے۔ کبھی کبھی علم سے بہت بہتر ہے کہ انسان لاعلمی میں غوطے کھاتا رہے۔

صوفی کافی موج میں تھا۔ نام لیے بغیر عرض کرونگا، کہ ایک مدبر انسان جو پوٹھوہار کے علاقے میں رچ بس گیا ہے، بلکہ ایک قصبہ کی

پہچان بن چکا ہے۔صوفی نے اس بڑے شخص کے ساتھ اپنے مکالمے بتانے شروع کر دیے۔ بڑی عجیب سی باتیں ہیں۔ پوٹھوہار کا شخص بھی علم کا سمندر ہے۔فہم قرآن کو سینے میں سمویا ہوا غیر معمولی آدمی۔فلسفہ،تاریخ اور دیگر علوم اس پر بارش برسا کر گزر چکے ہیں۔صوفی کی اس سے ایک ملاقات ہوئی تو پوچھا کہ "حضرت، یہ اعجاز گناہ کیا ہے"۔اس سوال سے وہ خوبصورت دلائل اُٹھے کہ ایمان معطر ہو گیا۔ بات بہت گہری ہے۔انسان کو ایک گناہ کے حوالے سے جنت سے نکالا گیا۔ پھر زمین پر خلیفہ بنایا گیا۔اسے عقل بلکہ فہم عطا کیا گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہماری جیسی ریاستوں میں عام انسان کو "خلیفہ "تو دور کی بات،اسے جانور کی سطح پر سانس لینے کیلئے مجبور کر دیا گیا۔ بہر حال یہ فکری بحث، نکتے اور دلائل بہت اعلیٰ سطح کے تھے۔کبھی موقعہ ملا تو بیان کرونگا۔عالم نے صوفی سے پوچھا کہ بتاؤ کیا چاہتے ہو۔صوفی نے احترام سے عرض کی، کہ کچھ بھی نہیں۔اپنی چادر سمیٹ کر واپس آ گیا۔ مجھے ویسے صوفی کے متعلق بھی کافی شک ہے کہ اکثر باتیں چھپا جاتا ہے۔ یہ لوگ بنیادی طور پر ٹھگ ہیں۔سب کچھ چوری کر لیتے ہیں مگر معلوم ہی نہیں ہوتا۔

دراصل شاہ جی، آئرلینڈ کے صوفی کے مرشد ہیں۔شاہ جی پر کچھ نہیں لکھا جا سکتا۔کیونکہ انکے متعلق کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ باکمال انسان جس نے اپنے نفس پر اس درجہ کنٹرول حاصل کر لیا ہے کہ بحیثیت ڈاکٹر حیران رہ جاتا ہوں۔غذا انتہائی کم اور نیند اس سے بھی کم۔صوفی کہتا ہے کہ شاہ جی کو سوتے نہیں دیکھا۔شاہ جی کہتے ہیں کہ وہ صبح دم سوتے ہیں۔چند گھنٹوں کیلئے۔خیال ہے کہ دونوں ایک دوسرے کا پردا رکھ رہے ہیں۔سب کچھ نہیں بتا رہے یا شائد سب کچھ ہی کھل کر بتا رہے ہیں۔ایک دفعہ شاہ جی کو میں نے بھی دستر خوان پر کھانا تناول فرماتے ہوئے دیکھا۔دو تین لقمے یا شائد تھوڑے زیادہ۔اتنا کم کھانا۔اصرار پر بتانے لگے کہ اتنا ہی کافی ہے۔ یہ لوگ زندہ کیسے ہیں، کچھ اندازہ نہیں۔ ہر وقت چاک و چوبند۔شریعت کے مطابق ایمان پر پہرا دینے والے چوکیدار۔شاہ جی دنیاداری میں بھی مکمل طور پر فہم اور شرافت کے اسیر ہیں۔تواضع وانکساری کا بھرپور مجموعہ۔ بیٹے کی شادی ہوئی۔ولیمہ کی تقریب میں طالبعلم بھی حاضر ہوا۔گاڑی سے شامیانہ کا فاصلہ کوئی دو تین سو فٹ ہوگا۔شاہ جی نے بڑے شامیانے کے باہر ایک کرسی ڈال رکھی تھی۔کرسی سے اُٹھ کر خود بڑھ کر ہر مہمان کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔اسے پنڈال تک چھوڑ کر آتے تھے۔جاتے وقت سب کو اسی سادگی سے خدا حافظ کہہ رہے تھے۔سب کو احترام سے کھانا کھلا رہے تھے۔مگر خود کچھ بھی نہیں نوش کیا۔میں کافی دیر بیٹھا رہا۔صوفی بتا رہا تھا کہ تقریب کے بعد شاہ جی، خدا کا شکر ادا کر رہے تھے کہ اس نے عزت سے ہر کام کروا دیا۔تقریب پر تو سب نے آنا تھا۔پھر اسکو اس درجہ شکر کا حصہ کیوں بنایا گیا۔شادی پر جانا ہماری سماجی روایات کا حصہ ہیں۔گمان ہے کہ شاء جی، اس منزل پر ہیں جہاں انہوں نے تمام معاملات خدا کے حوالے کر ڈالے ہیں۔اسکی رضا میں خوش رہتے ہیں۔اپنی ہستی کو ختم کر ڈالا ہے۔ویسے یہ انتہائی مشکل کام ہے۔ ہمارے جیسے لوگوں کیلئے تو خیر اور بھی مشکل۔ بہر حال، شاہ جی، کو جتنی بار ملتا ہوں، انتہائی حیران ہو جاتا ہوں۔کسی حد تک خوف زدہ بھی، یہ کیا لوگ ہیں۔ یہ ایسے کیوں ہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ کیا ہے۔اصل حقیقت کیا ہے۔

صوفی جب شاہ جی کے پاس جاتا ہے تو ایک مختلف سا انسان ہوتا ہے۔بیٹھک میں داخل ہوتے ہیں انکے قدموں میں بیٹھ جاتا ہے۔شاہ جی، بڑی مشکل سے اپنے قدموں سے اُٹھا کر کرسی یا صوفہ پر بٹھاتے ہیں۔صوفی اس وقت، کسی اور دنیا میں

موجود ہوتا ہے۔ایک ایسی دنیا،جسکا ادراک کم ازکم مجھے نہیں ہے۔سرتاپا، عاجزی وانکساری۔جسمانی طور پر پُرسکون مگر روحانی طور پر ایک طوفان میں مبتلا۔شائد "سلوک" کی منزلیں ہی ایسی ہیں کہ دیکھنے والے کو کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا۔مگر صوفی،شاہ جی سے کھل کر مکالمہ کرتا ہے۔جو باتیں دونوں کررہے ہوتے ہیں وہ تو اہم ہیں ہی۔مگر جو باتیں نہیں کررہے ہوتے وہ زیادہ اہم ہیں۔اَن دیکھے سے رابطے میں مصروف یہ لوگ کس دنیامیں ہوتے ہیں،کم ازکم میرے جیسا جاہل اس پر کوئی بات نہیں کرسکتا۔ویسے بات کرنی بھی نہیں چاہیے۔شائد خاموشی کی زبان سب سے بہتر اور اکسیر ہے۔شاہ جی کے کمرے میں قدیم طرز کے صوفے پڑے ہوئے ہیں۔چند کرسیاں ہیں۔ایک جانب کتابیں ہی کتابیں ہیں۔ضخیم اور بھاری بھرکم کتب۔ہرطرح کی کتب۔مگر اکثریت مذہبی نوعیت کی ہیں۔بنیادی مخاطن سے کشید کردہ خوبصورت علم۔کبھی کبھی یہ بھی سوچتا ہوں کہ شاہ جی عالم ہیں یا صوفی۔کیا عالم، صوفی ہوسکتا ہے۔کیا صوفی بھی عالم ہوسکتا ہے۔کیا دونوں ملے جلے سے کردار ہیں۔یا کبھی عالم،اہل صفا کی چٹائی پر بیٹھ جاتا ہے۔پھٹے ہوئے کپڑے پہن کر لوگوں پر حاوی ہوجاتا ہے۔یا دوسری صورت میں کبھی کبھی صوفی، عالم کا روپ دھار لیتا ہے۔یہ معاملات سلوک کے ہیں۔اس میں کسی قسم کا نہ کوئی راستہ ہے نہ منزل۔کبھی منزل،راستہ بن جاتی ہے اور کبھی راستہ، پگڈنڈی کا روپ دھار لیتا ہے۔عقل کبھی کبھی وجدان کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی ہے اور کبھی کبھی وجدان،عقل کو مہیز لگا ڈالتا ہے۔

ہاں ایک اور بات۔آئرلینڈ کے صوفی کے ساتھ مکالمے میں آقاؑ کا ذکر ہوا۔تو صوفی نے عینک اُتاری اور رونا شروع کردیا۔میری موجودگی میں شائد بلک بلک کر نہیں رویا مگر آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔آقاؑ سے عشق کی یہ بھرپور جہت پہلی بار صوفی میں نظر آئی۔ویسے عشقِ رسولؐ بذات خود ایک منزل ہے۔طریقت کی شاہراہ کے مسافر ہوں یا دوسری جانب کے۔بات بنتی نہیں جب تک کہ انسان عشقِ رسولؐ کے سمندر میں ڈبکی نہ لگائے۔ویسے یہ صوفی اور درویش ہوتے بہت کائیاں ہیں۔یہ جو نظر آتے ہیں،وہ قطعاً نہیں ہوتے۔جو ہوتے ہیں،وہ بالکل بتاتے نہیں ہیں۔صوفی کہتا ہے کہ درویش دراصل ہر انسان کا پہلی نظر میں ہی یہ ایکسرے کرلیتا ہے۔اسے حقیقت میں آنے والے کے احوال معلوم ہوتے ہیں۔مسئلہ یہ ہے کہ فنا کے راستے پر چلنے والے مسافروں کیلئے ،اجنبی قلب کے حالات جاننا بہت معمولی سی بات ہے۔اسکا ذکر تک نہیں کرتے۔مجھے ہرگز ہرگز معلوم نہیں کہ صوفی اور شاہ جی جیسے لوگ مجھے کیونکر مل جاتے ہیں۔ان سے جتنا دور بھاگتا ہوں، یہ کسی نہ کسی موڑ پر کوئی نیا لبادہ اوڑھ کر موجود ہوتے ہیں۔ان مشکل ترین مگر آسان لوگوں سے محفوظ رہنا چاہتا ہوں۔ان سے غافل رہنا چاہتا ہوں۔مگر اصل بات یہ ہے کہ میں ان بڑے لوگوں سے بالکل نہیں بچنا چاہتا۔

راؤ منظر حیات